اُصولِ اِباحت پر مختلف نقطہ ہاے نظر کا تجزیاتی مطالعہ

حافظ آفتاب احمد٭
حافظ ظہیر احمد الاسنادی٭

قرآن و سنت شریعت اسلامی کے بنیادی مصادر ہیں اور ان کے عمیق مطالعے سے ہمیں زندگی گزارنے اور مسائل حیات کو حل کرنے کے حوالے سے کئی اصول ملتے ہیں جن کو علماے شریعت نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسلام نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا وہ حلال ہیں اور جنھیں حرام قرار دیا وہ حرام ہیں اور جن اشیا کے بارے میں کوئی بھی حکم حلال و حرام کا نہ دیا گیا ہو تو وہ مباح اور جائز ہوں گی؛ لہٰذا کسی شے کو محض عدمِ ذکر یا عدمِ ثبوت کی وجہ سے ناجائز یا حرام تصور کرنا شریعت کے منافی اور اسلام کے متعین کردہ نظامِ حلت و حرمت سے روگردانی ہے، کیوں کہ کسی شے پر شارع کا سکوت بہ ذاتِ خود اس شے کے مباح اور جائز ہونے کی دلیل ہے۔ قرآنِ حکیم سے خوب واضح ہوتا ہے کہ اشیا بالعموم اپنی اصل کی رو سے پاک اور طیب بنائی گئی ہیں۔ جن اشیا میں اللہ تعالیٰ نے کوئی ضرر اور شر رکھ دیا، وہ خبیث قرار پائیں۔ حرام کی تفصیل بتانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ خبیث اشیا کو بقیہ سب طیب اور پاک اشیا سے ممتاز کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ لِيَمِيزَ ٱللَّهُ ٱلۡخَبِيثَ مِنَ ٱلطَّيِّبِ ﴾[1] (تاکہ اللہ (تعالیٰ) ناپاک کو پاکیزہ سے جدا فرما دے۔)

اس آیت کریمہ میں خبیث (حرام) کو ممیز قرار دیا گیا ہے جب کہ طیب (حلال و مباح) کو ممیز منہ، گویا حرام اور خبیث اشیا کو ان کے خبث و حرمت کے باعث باہر نکال لیا گیا ہے اور بقیہ اشیا سب کی سب طیب اور حلال ہیں۔

٭ اسسٹنٹ پروفیسر، سربراہ شعبہ علوم القرآن، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(aftab.ahmad@iiu.edu.pk)

٭ ریسرچ اسکالر، فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لاہور۔ (alisnadi@gmail.com)

۱۔ القرآن ۸: ۳۷۔

اسلام میں شارع کی حیثیت صرف خداے لم یزل اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے اہلِ ایمان کو ایک منظم زندگی (Disciplined life) دینے کے لیے بعض چیزوں کو جو ان کے لیے نقصان دہ تھیں، بہ وجوہ حرام قرار دیا گیا ہے۔انبیاے کرام علیہم السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ضابطۂ اَحکام عطا فرمایا ہے، تاکہ ہر ایک پر حِلت و حرمت کے اَحکامات واضح ہو جائیں اور وہ ان پر عمل پیرا ہوکر اپنے مقصد کو پا سکیں۔

جن اشیا کو شارع نے حلال فرمایا ہے وہ قیامت تک کے لیے حلال ہیں اور جن سے منع فرمایا ہے وہ قیامت تک کے لیے حرام ہیں اور اپنی طرف سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دینا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھنے کے مترادف ہے۔اسی لیے قرآن حکیم نے حِلت و حرمت کے اختیار کا قطعی فیصلہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:﴿ وَلَا تَقُولُواْ لِمَا تَصِفُ أَلۡسِنَتُكُمُ ٱلۡكَذِبَ هَٰذَا حَلَٰلٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُواْ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفۡتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُونَ ﴾[۲] (اور وہ جھوٹ مت کہا کرو جو تمھاری زبانیں بیان کرتی رہتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، اس طرح کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) فلاح نہیں پائیں گے۔)

اسی قرآنی تنبیہ کی وجہ سے ائمۂ شریعت اور مجتہدین فقہ، غیر معمولی احتیاط سے کام لیتے تھے۔اپنے علم و بصیرت اور اجتہادی صلاحیت کے باوجود فتویٰ دینے سے حتی الوسع گریز کرتے اور ایک دوسرے کی طرف رجوع کرنے کو کہتے، مبادا حلت و حرمت کے مسائل میں ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اسی طرح کی بے انتہا احتیاط کی روایات ملتی ہیں جن سے مجتہدین فقہا کے ورع، تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کا اندازہ ہوتا ہے۔قرآن حکیم نے حلت و حرمت کے بارے میں جو اَحکام بیان کیے ہیں ان کی روشنی میں قرآن حکیم کا فلسفۂ حلال و حرام بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

۲- القرآن ۱۶: ۱۱۶۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور دوسری اشیاے خوردنی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اَلْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ.''[۳] (وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اپنی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرا دیا ہے رہیں وہ اشیا جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ ان میں سے ہیں جو معاف کر دی گئی ہیں۔)

چناں چہ انھی آیات و احادیث سے علماے اصول نے شریعتِ اسلامیہ کا یہ اُصول اَخذ کیا: ''الأصل في الأشياء الإباحة'' (تمام اشیا میں اصل اباحت (یعنی حلت) ہے۔) یہ ایک اہم فقہی اصول ہے اور اس کا بعض دیگر اصولی مسائل سے بھی تعلق ہے، نیز اس کا استعمال فقہ کے کئی ابواب میں ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں اس قاعدے کے استعمال میں افراط و تفریط کا عنصر نظر آتا ہے۔

جب تک لوگوں کو احکام شریعت کا بنیادی اور ضروری علم رہا، ان میں بہت کم اختلافات پیدا ہوئے، لیکن جوں جوں لوگ علم الاحکام سے بے بہرہ ہوتے گئے ان میں اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی۔ جہالت کی وجہ سے اِفتراق کو فروغ ملنے لگا اور لوگ عقائد و احکام میں اِفراط و تفریط کا شکار ہونے لگے، جس کی بنا پر کوئی مستحب کو فرض، کوئی مباح کو حرام قرار دینے لگا اور کسی نے مباح اور مستحب کو بدعت قرار دے دیا، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان علم الاحکام (شریعت کے اَحکام اور ان کی درجہ بندی) سے آگاہ ہو تاکہ وہ صحیح طور پر اَحکاماتِ الٰہیہ کو جان کر ان پر عمل پیرا ہوسکے اور افراط (بڑھانے) و تفریط (کم کرنے) کا شکار ہونے سے بچ سکے۔

اس تحقیق کا مقصد اُصول اِباحت کا لغت، قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ائمہ فقہاے مذاہب کے مختلف نقطہ ہاے نظر کا جائزہ لینااور یہ جاننا ہے کہ قاعدۂ اِباحت کن کن الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے نیز اس میں اصولِ اِباحت پر امت مسلمہ کے مجموعی موقف، راجح قول اور اس کے دلائل کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔

۳۔ ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی، السنن، كتاب اللباس، باب ما جاء في لبس الفراء(بیروت: دارالغرب الإسلامي، ۱۹۹۸ء)،۴: ۲۲۰،حدیث: ۱۷۲۶۔

مباح کا لغوی معنی و اِطلاق

علماے لغت نے اِباحت کے درج ذیل معانی بیان کیے ہیں:

۱۔ مباح کا پہلا معنی۔۔۔۔۔۔ظاہر ہونا۔'باح الشيء' کا معنی ہے وہ چیز ظاہر ہوگئی اسی طرح 'باح بسرّہ' کا معنی ہے وہ اپنے راز سے ظاہر ہو گیا یا اس نے اپنا راز ظاہر کر دیا۔[۴]

۲۔ مباح کا دُوسرا معنی۔۔۔۔۔۔جائز، آزاد، غیر ممنوع۔ 'اس کا مطلب جائز، آزاد اور غیر ممنوع ہونا بھی ہے۔'[۵]

یعنی میں نے تمھارے لیے یہ چیز مباح کر دی، سے مراد یہ ہے کہ میں نے تمھارے لیے اس شے کو حلال قرار دیا۔

اس کا مطلب کسی شے کو آزاد کر دینا بھی ہے 'أباح الشيء' کا معنی ہے 'أطلقه' اس چیز کو آزاد چھوڑ دیا۔ذکر اور تعین کی قید سے آزاد کر دیا یعنی آپ کی مرضی ہے کہ اسے کریں یا نہ کریں اس میں آزادی کی صفت ہے۔

تاج العروس میں ہے:میں نے تمھارے لیے یہ چیز مباح کر دی یعنی حلال قرار دی، اس کا مطلب یہ ہے تمھیں اجازت دے دی کہ اسے کھاؤ یا استعمال کرو یا ملکیت میں رکھو، شرعی حلال مراد نہیں وہ تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا منصب ہے۔اس نے چیز مباح کی یعنی تمہاری مرضی پر چھوڑ دی، مباح ممنوع کے مقابل ہے۔[۶]

۴۔ محمد بن مکرم افریقی ابن منظور، **لسان العرب**، مادہ: بوح (بیروت، دار صادر)، ۲: ۴۱۶؛ ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی، **القاموس المحیط**، مادہ: البوح (بیروت: المؤسسة العربية)، ۱: ۲۲۴ ۔

۵۔ وأبحتك الشيء: أحللته لك، وأباح الشيء: أطلقه، والمباح خلاف المحظور؛ ابن منظور، **لسان العرب**، مادہ:بوح، ۲: ۴۶؛ فیروز آبادی، **القاموس المحیط**، مادہ: البوح، ۱: ۲۲۴ ۔

۶۔ ابو الفیض محمد بن محمد مرتضی حسینی حنفی زبیدی، **تاج العروس من جواهر القاموس**، مادہ: بوح (بیروت:دار الفکر، ۱۹۹۴ء)، ۴: ۱۷۔

اسی طرح اس کا ایک معنی غیر ممنوع ہونا بھی ہے (مباح خلاف المحظور) مباح ممنوع کے برعکس ہے گویا جس پر منع کی تصریح نہ آئی ہو وہ مباح ہے۔ لغت میں مباح کا پانچ معانی پر اطلاق ہوتا ہے۔ ظاہر ہونا جیسے 'أباح الشيء' کا معنی ہے وہ چیز ظاہر ہو گئی اسی طرح 'باح بسرّہ' وہ اپنے راز سے ظاہر ہو گیا یا اس نے اپنا راز ظاہر کر دیا۔[۷]

'یعنی میں نے تمھارے لیے وہ شے مباح قرار دی اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے تمھارے لیے اسے حلال کر دیا نیز مباح ممنوع کے مقابل میں آتا ہے یعنی جس کی ممانعت نہ آئی ہو وہ مباح ہو۔'[۸]

مباح کا ایک نام مطلقاً حلال ہے یعنی جس کا حلال ہونا (صریح) حکم حلت سے ثابت نہیں ہوا بلکہ بنیادی آزادی کی وجہ سے ازخود حلال ہوا ہے، یہ حلت اصلی اور حلت طبعی ہے حلت تصریحی نہیں اس لیے اسے حلال مطلق (طلق) کہتے ہیں۔[۹]

مباح کی اِصطلاحی تعریف

ائمہٴ اُصول نے مباح کی درج ذیل اصطلاحی تعریفات بیان کی ہیں:

۱۔ اِمام آمدی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱ھ) لکھتے ہیں: "أما المباح في الشرع، هو ما خير المرء فيه بين فعله وتركه شرعا." (شریعت میں مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے یا نہ کرنے کا آدمی کو شرعی طور پر اختیار دیا گیا ہو۔)[۱۰]

۷۔ ابن منظور، **لسان العرب**، مادہ: بوح، ۲: ۴۱۶؛ زبیدی، **تاج العروس**، مادہ: بوح، ۴: ۱۷، وأبحتك الشيء: أحللته لك والمباح خلاف المحظور.

۸۔ اسماعیل بن حماد الجوہری، **الصحاح في اللغة والعلوم**، مادہ: بوح (بیروت، دار الحضارة العربية)، ۱: ۱۲۳۔

۹۔ فالمباح يقال له: إنه حلال طِلق؛ فخر الدین محمد بن عمر رازی، **المحصول في أُصول الفقه** (مکہ مکرمہ: مكتبة نذار مصطفى الباز، ۱۹۹۹ء)، ۱: ۲۸۔

۱۰۔ سیف الدین ابی الحسن علی بن محمد آمدی، **الإحكام في أصول الأحكام** (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۹۸۰ء)، ۱: ۱۷۵۔

۲- اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۵۰۵ھ) رقم طراز ہیں: "إنه لا ضرر عليه في تركه ولا فعله ولا نفع من حيث فعله وتركه." (مباح وہ ہے جس کے کرنے، نہ کرنے میں کوئی نقصان ہو نہ فائدہ۔)(۱۱)

۳- اِمام ابو اِسحاق الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں: "إن المباح عند الشارع هو المخير فيه بين الفعل والترك من غير مدح ولا ذم." (بے شک شارع کے نزدیک مباح وہ ہے جس میں بغیر کسی مدح وذم کے فعل یا ترک فعل کا اختیار ہو۔)(۱۲)

۴- علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۰ھ) مباح کی تعریف یوں کرتے ہیں: "والمباح ما لا يمدح على فعله ولا على تركه." (مباح وہ ہے جس کے اختیار کرنے یا ترک کرنے پر تعریف نہ کی جائے۔)(۱۳)

۵- عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں: "إنه لا ثواب فيه ولا عقاب، ولكن قد يثاب عليه بالنية والقصد كمن يمارس أنواع الرياضة البدنية بنيّة تقوية جسمه، ليتقوى على محاربة الأعداء." (عموماً مباح کے کرنے یا نہ کرنے پر کوئی ثواب یا سزا نہیں دی جاتی تاہم کبھی نیت اور ارادے کی بنا پر ثواب ملتا ہے مثلاً کوئی شخص جسمانی قوت حاصل کرنے کے لیے ورزش کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا اور دشمنانِ اسلام کے خلاف لڑے گا تو یہ ورزش کرنا اس کے لیے باعث ثواب ہو گا۔)(۱۴)

۱۱- ابوحامد محمد بن محمد الغزالی، **المستصفى من علم الأصول** (قم: منشورات الشريف الرضي، ۱۳۲۴ھ) ۱: ۶۶۔

۱۲- ابراہیم بن موسیٰ اللخمي الشاطبی، **الموافقات في أصول الشريعة** (قاہرہ: مطبع المدني، ۱۹۶۹ء)، ۱: ۶۳۔

۱۳- محمد بن علي بن محمد الشوکانی، **إرشاد الفحول على تحقيق الحق من علم الأصول** (بیروت: مطبع دار ابن كثير، ۲۰۰۰ء)، ۱: ۶۱۔

۱۴- عبدالکریم زیدان، **الوجيز في أصول الفقه** (بغداد: مكتبة القدس، ۱۹۸۵ء)، ۴۸۔

مباح کا شرعی حکم

حکمِ اباحت کے بارے میں علماے اُصول کی دو آرا توجہ کی متقاضی ہیں:

۱۔ اباحت حکمِ شرعی ہے۔

۲۔ اباحت حکمِ شرعی نہیں ہے۔

۱۔ اِباحت حکمِ شرعی ہے

اس بارے میں امام سیف الدین الآمدی فرماتے ہیں:"اتفق المسلمون على أن الإباحة من الأحكام الشرعية خلافا دبعض المعتزلة." (بعض معتزلہ کو چھوڑ کر تمام اہل اسلام کی یہ متفقہ راے ہے کہ اباحت حکمِ شرعی ہے۔)[۱۵]

علامہ محب اللہ بن عبد الشکور بہاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۹ھ) اس کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "الإباحة الحكم الشرعي لأنه خطاب الشرع تخييرًا."(اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ یہ خطاب شرعی ہے جس کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔)[۱۶]

۲۔ اِباحت حکم شرعی نہیں ہے

دوسری راے یہ ہے کہ اباحت حکمِ شرعی نہیں ہے کیوں کہ اباحت، فعل اور ترکِ فعل سے حرج کی نفی کا نام ہے (یعنی اِباحت، فعل یا ترکِ فعل کے تقاضے کے نہ ہونے کا نام ہے) اور یہ بات شرع کے آنے سے پہلے ثابت ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ شرع نے فلاں شے کو مباح قرار دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شارع نے اسے اس حال پر ہی رہنے دیا ہے جس پر وہ شے شریعت کے آنے سے قبل تھی۔ لہٰذا جب شریعت نے کوئی حکم دے کر اس شے میں کوئی اثر اور تبدیلی پیدا نہیں کی تو اسے حکم شرعی قرار دینا مناسب نہیں ہے اور کسی شے کے وجوب یا حرمت پر کسی دلیل کا نہ پایا جانا ہی اس بات کی دلیلِ شرعی قرار دیا جائے گا کہ وہ فعل جائز اور حلال ہے۔

۱۵۔ آمدی، **الإحكام**،۱: ۱۸۶۔

۱۶۔ شیخ محب اللہ بن عبد الشکور بہاری، **مسلم الثبوت** (بیروت: دار إحياء التراث العربي)،۲۴۔

اُصول اِباحت پر مختلف نقطہ ہائے نظر

یہ قاعدہ: "الأصل في الأشياء الإباحة" (اصل اشیا میں اِباحت ہے۔) کے نام سے معروف ہوا اور اس قاعدے کی یہی تعبیر و تشریح اکثر علما نے اختیار کی ہے۔[(۱۷)]

لیکن ائمہ نے یہ قاعدہ بعض دیگر الفاظ سے بھی بیان کیا ہے، جیسے:

۱۔ "الأشياء على الإباحة حتى يرد الشرع بالمنع" (اصلِ اشیا میں اِباحت ہے یہاں تک کہ شریعت کی طرف سے اس پر کوئی منع نہ آجائے۔)[(۱۸)]

۲۔ "الأصل في الأشياء الحل أو الإباحة" (اشیا میں اصل حلت یا اباحت کا پایا جانا ہے۔)[(۱۹)]

۳۔ "الأصل في الأعيان الحل" (اشیا میں اصل حلت کا پایا جانا ہے۔)[(۲۰)]

۱۷۔ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد ابن عبد البر، **التمهيد** (مغرب (مراکش): وزات عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية، ۱۳۸۷ھ)، ۴ :۶۷؛ امام شمس الدین السرخسی، **المبسوط** (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۷۸ء)، ۲۴ :۷۷؛ ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، **فتح الباري في شرح صحيح البخاري** (بیروت: دار المعرفة)، ۹: ۶۵۶؛ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، **الأشباه والنظائر في قواعد وفروع فقه الشافعية**، (بیروت: دارالکتب العلمية، ۱۹۹۸ء)، ۶۰؛ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف، **التبصرة**، (دمشق: دار الفکر، ۱۴۰۳ھ): ۵۳۵۔

۱۸۔ تفصیلی مباحث کے لیے دیکھیں: ابن عبد البر، **التمهيد**، ۱۷: ۹۵- ۱۱۴؛ العسقلانی، **فتح الباري**، ۱۳: ۲۶۳؛ علی بن احمد بن سعید الظاہری ابن حزم، **المحلى** (بیروت: دارالآفاق الجديدة)، ۱: ۱۷۷۔

۱۹۔ بدر الدین محمد بن بہادر الزرکشی، **المنثور في القواعد الفقهية 'فقه الشافعي'** (بیروت: دار الکتب العلمية، ۲۰۰۰ء)، ۲: ۷۱؛ احمد بن غنیم بن سالم النفراوی المالکی، **الفواكه الدواني**، (بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)، ۲: ۲۸۴۔

۲۰۔ بدر الدین محمد بن بہادر الزرکشی، **البحر المحيط في أصول الفقه** (بیروت: دار الکتب العلمية، ۲۰۰۰ء)، ۴: ۳۲۵۔

۴- ”الأمور أصلها الإباحة حتى يثبت الحظر“ (اُمور میں اصل اِباحت ہے یہاں تک کہ اس سے بچنے کا حکم ثابت نہ ہو جائے۔)[۲۱]

۵- ”الأصل في المنافع الإذن وفي المضار المنع“ (نفع بخش اَشیا میں اِباحت اور ضرر رساں اشیا میں منع ہے۔)[۲۲]

۶- ”أصل الأفعال الإباحة“ (افعال میں اصل اِباحت ہے۔)[۲۳]

اُصولِ اِباحت پر مختلف موقف

بعض علما نے اس کے علاوہ بھی موقف بیان کیے۔ مثلاً:

۱- ”أصل الأشياء على الإباحة أو التحريم“ (اشیا میں اصل اِباحت یا تحریم ہے۔)[۲۴]

۲- ”الأصل في الأشياء الإباحة أو التحريم أو الوقف“ (اشیا میں اصل اِباحت یا تحریم یا توقف ہے۔)[۲۵]

۳- ”الأصل في الأفعال الإباحة أو الحظر“ (اشیا میں اصل اِباحت یا بچنا ہے۔)[۲۶]

۲۱- تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن عبد البر، **التمهيد**، ۹: ۲۰۵۔

۲۲- کئی ائمہ نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ جیسے: محمد بن عمر بن الحسین رازی، **المحصول** (ریاض: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، ۱۴۰۰ھ)، ۶: ۱۳۱؛ الزرکشی، **البحر المحيط**، ۴: ۳۲۲؛ شیخ الاسلام علی بن عبد الکافی السبکی، **الإبهاج في شرح المنهاج** (مكتبة الكليات الأزهرية، ۱۴۰۱ھ)، ۳: ۱۶۵: ابو محمد عبد الرحیم بن الحسن الاسنوی، **التمهيد** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۰ھ)، ۴۸۷۔

۲۳- شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ، **إعلام الموقعين عن رب العالمين** (بیروت: دار الجيل) ۲: ۳۸۷۔

۲۴- ابوزکریا یحیی بن شرف النووی، **المجموع شرح المهذب** (جده: مكتبة الإرشاد)، ۱: ۳۰۲۔

۲۵- الزرکشی، **المنثور**، ۱: ۱۷۶۔

۲۶- الرازی، **المحصول**، ۵: ۵۹۔

۴۔ "هل الأصل في الأشياء الإباحة حتى يدل الدليل على عدم الإباحة؟ أو التحريم حتى يدل الدليل على الإباحة؟" (کیا اشیا میں اصل اِباحت ہے یہاں تک اس کے عدم اِباحت پر کوئی دلیل نہ آجائے۔ یا حرمت ہے یہاں تک کہ اس کی اِباحت پر کوئی دلیل نہ آجائے۔)[۲۷]

یعنی وہ اشیا جن کے بارے میں نص وارد نہ ہو ان کے بارے میں اہلِ اُصول کی چار آرا ہیں:

۱۔ اِباحت

۲۔ حرمت

۳۔ توقف

۴۔ نفع بخش اشیا میں اباحت اور ضرر رساں اشیا میں حرمت

اب قرآن مجید کے دلائل کی روشنی میں اِباحت اصلیہ پر راجح موقف کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

قرآنِ مجید سے اِباحتِ اصلی کے دلائل

شریعت مطہرہ میں کوئی شے اس وقت ناجائز اور حرام قرار پاتی ہے جب اس کو نصوصِ قرآن و سنت کی اتباع میں اجماعِ امت ناجائز اور حرام قرار دے۔ شریعت اسلامیہ نے جائز اور حلال اشیا کی فہرست نہیں گنوائی، بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کی فہرست مہیا کر دی جو کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ واضح احکام پر مشتمل ہے مثلاً خنزیر، بہتا ہوا لہو، مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانوروں کے گوشت وغیرہ کو بالصراحت حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح دیگر مشروبات و ماکولات، رشتوں، معاملات اور عقائد میں سے جملہ محرمات گنوا گنوا کر مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ فلاں فلاں چیزیں تمھارے لیے حرام ہیں اور ان کے علاوہ اس کائنات ارضی و سماوی میں جو کچھ بھی ہے اسے تمھارے لیے حلال اور مسخر کر دیا تا کہ تم ان سے استفادہ کرو۔

۲۷۔ زین الدین بن ابراہیم ابن النجیم، **الأشباه والنظائر** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۰۵ھ): ۶۶۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعٗا مِّنۡهُۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأٓيَٰتٖ لِّقَوۡمٖ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ [۲۸] (اور اُس نے تمھارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے، بے شک اس میں اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتیں انسان کے لیے پیدا کیں اور ان پر اسے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔ اگر وہ خالقِ کائنات، رحمٰن و رحیم خود انسان پر ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا دیتا اور انھیں ان سے مستفید ہونے کی اجازت نہ دیتا تو اس کا کیا ہوا یہ وعدہ کیوں کر اس کے رب العالمین ہونے پر شہادت فراہم کرتا جو اس قرآنی ارشاد میں مذکور ہے: ﴿ أَلَمۡ تَرَوۡاْ أَنَّ ٱللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِ وَأَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهُۥ ظَٰهِرَةٗ وَبَاطِنَةٗ ﴾ [۲۹] ((لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمھارے لیے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔)

قرآنی حکم کی رو سے حلال و جائز اشیا کے عموم کے پیشِ نظر جب ہم حرام اشیا پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ہمیں اس کی رحمتوں اور بے پایاں مہربانیوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اس لیے کہ جو اشیا بھی اسلام میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں خواہ ان کا حکم اللہ رب العزت نے دیا ہو یا اس کے رسول ﷺ نے انھیں اپنے تشریعی و تکوینی اختیارات سے حرام ٹھہرایا ہو، وہ حکم کسی خاص مصلحت اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے مثلاً اسلامی شریعت میں حرام کی گئی اشیاے خور و نوش میں جو قباحتیں اور ضرر رسانیاں ہیں، چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آج جدید سائنسی تحقیقات ان کی تصدیق کر رہی ہیں۔ مذکورہ ضرر رساں اشیا کے علاوہ کائنات کی تمام چیزیں حلال قرار دی گئیں۔

۲۸- القرآن ۴۵: ۱۳۔

۲۹- القرآن ۳۱: ۲۰۔

تخلیق و تسخیرِ کائنات سے ثبوت اِباحت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ ٱسْتَوَىٰٓ إِلَى ٱلسَّمَآءِ فَسَوَّىٰهُنَّ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴾[۳۰] (وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمھارے لیے پیدا کیا، پھر وہ (کائنات کے) بالائی حصوں کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے انھیں درست کر کے ان کے سات آسمانی طبقات بنا دیے، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔)

یہاں پر چند ائمۂ تفسیر کی آرا سے اس آیت کا جائزہ لیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِباحت اور نفع ہی اصل ہے۔

۱۔ اِمام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۰ھ) نے اس آیت کریمہ سے اِباحتِ اصلیہ کا استدلال کیا ہے کہ "زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ بنی آدم کے فائدہ و نفع کے لیے ہے۔"[۳۱]

۲۔ اِمام ابو بکر جصاص الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (۳۷۰ھ) نے بھی اس آیت کریمہ سے یہ دلیل اخذ کی ہے کہ تمام اشیا اصلاً اِباحت پر ہیں۔[۳۲]

یعنی اصل اشیا میں اس وقت تک اِباحت ہے جب تک کہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہ آجائے۔

۳۔ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ (۵۳۸ھ) نے اس آیت کی تفسیر میں اسی موقف کو بیان کیا۔ یعنی اشیا انسان کے نفع اٹھانے کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں اور ان سے اس وقت تک فائدہ اٹھانا جائز ہے جب تک کہ ان کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی نہ آجائے۔[۳۳]

۳۰۔ القرآن،۲: ۲۹۔

۳۱۔ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری، جامع البيان في تفسير القرآن، (بیروت: دار المعرفة ۱۹۸۰ء)، ۱: ۱۴۹۔

۳۲۔ احمد بن علی الرازی ابو بکر الجصاص، أحكام القرآن (بیروت: دار إحياء التراث، ۱۴۰۵ھ)، ۱: ۲۸۔

۳۳۔ جار اللہ محمود بن عمر الخوارزمی الزمخشری، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل (قاہرہ: ۱۹۵۳ء)، ۱: ۱۱۲۔

۴- اِمام ابن الجوزی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (۵۹۷ھ) لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کے فرمان: (هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا) سے مراد ہے کہ تمہاری خاطر پیدا کیا ان میں سے بعض (تمھارے) فائدہ کے لیے ہیں اور بعض عبرت کے لیے ہیں۔"(۳۴)

۵- امام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ (۶۰۶ھ) نے التفسیر الکبیر اس آیت کی تفسیر کے تحت یہی موقف بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی بھی عطا فرمائی اور اس سے لطف اندوز ہونے اور نفع اٹھانے کے لیے کائنات کی تمام اشیاء کو اس کے لیے مسخر بھی فرما دیا ہے۔(۳۵)

۶- اِمام ابو عبد اللہ القرطبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۱ھ) نے بھی یہی موقف بیان کیا کہ اس آیت کریمہ سے اصلِ اشیاء میں اباحت کا لزوم ثابت ہوتا ہے۔(۳۶)

۷- علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں: "اور اس میں دلیل ہے کہ تمام پیدا کردہ اشیا میں اصلاً اباحت پائی جاتی ہے جب تک اس کے خلاف کوئی شرعی دلیل نہ پائی جائے اور ان میں حیوانات اور دوسری چیزوں وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں جن سے ہم بغیر کسی نقصان کے فائدہ حاصل کر سکیں۔اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: (جَمِيْعًا) کی تاکید میں اس چیز پر نہایت قوی دلیل ہے۔"(۳۷)

۸- ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "علمائے اصول نے اس آیۂ مبارکہ سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ بے شک اصلاً تمام اشیا میں اِباحت ہے جب تک کہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہ آجائے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا ہے اس سے نفع اٹھانا جائز ہے۔

۳۴- ابو الفرج عبد الرحمن بن علي ابن الجوزی، زاد المسير في علم التفسير (بیروت: المكتب الإسلامي،۱۹۸۴ء)،۱: ۵۸۔

۳۵- الرازی،التفسیر الکبیر (طهران: دار الكتب العلمية)،۲: ۱۴۱۔

۳۶- ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن محمد القرطبی، الجامع لأحكام القرآن (بیروت: دار إحياء التراث العربي)،۱: ۲۵۱۔

۳۷- محمد بن علی بن محمد الشوکانی،فتح القدير (مصر: مطبع مصطفى البابي الحلبي وأولاده،۱۹۶۴ء)،۱: ۶۰۔

جب تک اس کی حرمت میں کوئی شرعی حکم نہ آ جائے، لہٰذا مخلوق کو یہ حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ شے کو اس کی اجازت کے بغیر حرام قرار دے۔"[۳۸]

ان تمام تفاسیر کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتیں انسان کے لیے پیدا کیں اور ان پر اسے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔جمہور ائمۂ مفسرین، ائمۂ اصولیین اور ائمۂ فقہا نے یہ استدلال کیا ہے کہ احکام شرعیہ کے وارد ہونے سے پہلے اصل میں سب اشیا مباح ہیں، پھر جب احکام شرعیہ وارد ہوئے تو ان میں سے بعض واجب ہو گئیں اور بعض حرام مثلاً شراب نوشی اور کتوں کے ساتھ شغل پہلے مباح تھا؛ جب شریعت میں ان سے ممانعت وارد ہو گئی تو یہ کام حرام ہوگئے۔ اسی طرح والدین کی اطاعت کرنا پہلے مباح تھا، جب شریعت نے اس کا حکم دے دیا تو اطاعتِ والدین واجب ہو گئی۔یعنی جب تک کسی شے کی حلت یا حرمت کے بارے میں شریعت کوئی حکم صادر نہ کرے وہ مباح ہو گی۔ازخود کوئی کسی شے کو حرام قرار نہیں دے سکتا۔ جس طرح مشرکوں نے سائبہ، بحیرہ وغیرہ جانوروں (جو ان کے بتوں کے ناموں سے منسوب تھے) کا دودھ، گوشت اور ان پر سواری کرنا سب کچھ اپنے اوپر حرام کرلیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں آیات نازل فرمائیں۔[۳۹] جن سے معلوم ہوتاہے کہ کسی چیز کو از خود حرام قرار دینا جائز نہیں ہے اور جب تک اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی چیز سے منع نہ فرما دیں وہ چیز حلال ہے۔

اُلوہی نعمتوں سے اِنتفاع اور ثبوتِ اباحت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِىٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزْقِ ۚ قُلْ هِىَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۗ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾[۴۰]

۳۸- وہبہ بن مصطفی وہبہ الزحیلی،التفسير المنير في العقيدة والشريعة (دمشق: دار الفكر،۱۴۱۸ء)،۱: ۱۲۰۔

۳۹- ﴿ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ ٱلْكَذِبَ هَٰذَا حَلَٰلٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴾ (القرآن ۱۶: ۱۱۶)؛﴿ قُلْ أَرَءَيْتُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَٰلًا قُلْ ءَآللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ ۖ أَمْ عَلَى ٱللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴾ (القرآن ۱۰: ۵۹)۔

۴۰- القرآن ۷: ۳۲۔

(فرما دیجیے: اللہ کی اس زینت (و آرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے)؟ فرما دیجیے: یہ (سب نعمتیں جو) اہلِ ایمان کی دنیا کی زندگی میں (بالعموم روا) ہیں قیامت کے دن بالخصوص (انھی کے لیے) ہوں گی۔اس طرح ہم جاننے والوں کے لیے آیتیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مفسرین کرام کی آرا درج ذیل ہیں:

۱- امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (۶۸۵ھ) فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ﴾ من الثياب وسائر ما يتجمل به ﴿ٱلَّتِيٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ﴾ من النبات كالقطن والكتان والحيوان كالحرير والصوف والمعادن كالدروع ﴿وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزْقِ﴾ المستلذات من المآكل والمشارب وفيه دليل على أن الأصل في المطاعم والملابس وأنواع التجملات الإباحة.

فرما دیجیے: اللہ کی اس زینت (و آرائش) کو کس نے حرام کیا ہے۔لباس اور باقی اشیا جن سے بناؤ سنگھار کیا جاتا ہے: 'جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے۔ سبزیاں، اون، کپاس، پٹ سن، حیوان جیسے ریشم، اون، معدنیات، زرہیں: اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے)؟ لذیذ کھانے پینے، اس میں دلیل ہے۔کھانے، ملبوسات اور قسم قسم کے بناؤ سنگھار میں اصل اباحت و اجازت ہے۔ (۴۱)

۲- امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

يقول تعالى ردا على من حرّم شيأ من المآكل أو المشارب أو الملابس من تلقاء نفسه من غير شرع من الله: (قُلْ) يا محمد لهؤلاء المشركين الذين ما يحرمون بآرائهم الفاسدة وابتداعهم ﴿مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِيٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزْقِ﴾ أي هي مخلوقة لمن آمن بالله.

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے جو کھانے پینے یا پہننے کی کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر اپنی طرف سے حرام کرتے ہیں فرمایا: اے محمد! ان مشرکوں سے جو اپنی غلط آرا اور بدعت (کے فتووں) سے (حلال کو) حرام کرتے ہیں، 'فرما دیجیے: اللہ کی اس زینت (و آرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اس

۴۱- ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر الشیرازی البیضاوی، **أنوار التنزيل وأسرار التأويل** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۶ء)، ۳: ۱۷۔

نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے،یعنی یہ سب چیزیں ان لوگوں کے لیے پیدا ہوئیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔[۴۲]

معلوم ہوا بغیر نص یا حکم شرعی کے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دینا حق شارع کو استعمال کرنے کے مترادف ہے۔

۳۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے یوں لکھا ہے کہ اس میں 'مَن' اِستفہامِ انکاری ہے جس سے حرمت کی نفی ثابت ہوتی ہے اور حرمت کی نفی تقاضا کرتی ہے کہ وہ چیز حرام نہیں ہے بلکہ طیب اور حلال ہے جس سے استفادہ کرنا مباح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ﴾[۴۳]

(آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں)

اس آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے چیزوں میں اباحت اصلیہ کا اصول اخذ ہوتا ہے۔ 'لکم' میں 'ل' اختصاص کے لیے ہے جو ہمارے لیے طیبات کی تخصیص کرتا ہے، طیبات جمع کا صیغہ ہے، جمع سالم پر جب 'ال' داخل ہو تو عموم کا معنی دیتا ہے لہٰذا اس تناظر میں یہ ثابت ہوا کہ تمام طیبات جو نفس اور طبع کے لیے مستحسن اور موافق ہوں مباح اور حلال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ۚ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾[۴۴]

۴۲۔ ابو الفداء اسماعیل بن عمر عماد الدین ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار المعرفۃ،۱۹۸۰ء)،۲: ۲۱۲۔

۴۳۔ القرآن،۵: ۵۔

۴۴۔ القرآن ۶: ۱۴۵۔

(آپ فرما دیں کہ میری طرف جو وحی بھیجی گئی ہے اس میں تو میں کسی (بھی) کھانے والے پر (ایسی چیز کو) جسے وہ کھاتا ہو حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مُردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سُؤر کا گوشت ہو، کیوں کہ یہ ناپاک ہے یا نافرمانی کا جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص (بھوک کے باعث) سخت لاچار ہو جائے نہ تو نافرمانی کر رہا ہو اور نہ حد سے تجاوز کر رہا ہو، تو بے شک آپ کا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔)

اس آیت میں بھی چند مخصوص اشیا کے علاوہ ہر قسم کے کھانے کی اباحت کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوا کہ اصلاً تمام اشیا مباح ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جو چیزیں حرام کیں وہ بیان کردی ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں قرآن خاموش ہے وہ جائز ہیں، قرآنی قاعدہ ہے ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ (اس نے تمھارے لیے ان (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کر دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔)[۴۵]

اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ جن اشیا کا ذکر نہیں کیا گیا، وہ حلال ہیں، کیوں کہ ترکِ ذِکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مباح ہیں پس ثابت ہوا کہ ترکِ ذِکر اباحتِ اشیا پر دلیل ہے نہ کہ ان کی حرمت پر۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ﴾[۴۶] (اور ان کے سوا (جن کا ذکر نہیں ہوا سب عورتیں) تمھارے لیے حلال کر دی گئی ہیں۔)

اس آیت مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے کہ ترکِ ذکر حرمت کی نہیں، بلکہ حلت کی دلیل ہے تو جب قرآن میں ترکِ ذکر حلت کی دلیل ہے تو پھر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے کسی کام کا ترک کرنا کیسے اور کیوں کر دلیل حرمت بن سکتا ہے۔

۴۵۔ القرآن ۶: ۱۱۹۔

۴۶۔ القرآن ۴: ۲۴۔

قابلِ توجہ نکتہ

اس تصریح کے بعد یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ شریعت اگر اس چیز کا نام ہے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ نے جس شے کو جائز اور حلال فرمایا صرف وہی حلال ہو اور جس پر شریعت خاموش ہے اسے ناجائز اور حرام ٹھہرا لیا جائے تو روزمرہ زندگی میں صبح و شام ہزاروں امور ایسے ہیں جن کا نہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نہ حضور ﷺ نے ان کے متعلق صراحتاً کچھ فرمایا ہے، مثلاً ہمارے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے بچھونے غرض روز مرّہ زندگی سے متعلق ہزاروں اُمور جو ہمارے لیے جزو لاینفک کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں اگر یہ امر نہ تسلیم کیا جائے تو وہ سب بھی حرام ٹھہریں گے۔

کثرتِ سوالات کی ممانعت سے ثبوتِ اِباحت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَسْـَٔلُواْ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِن تَسْـَٔلُواْ عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ ٱلْقُرْءَانُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهَا ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴾[۴۷] (اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمھارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمھیں بری لگیں)، اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جب کہ قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعیّن) کر دی جائیں گی (جس سے تمھاری صواب دید ختم ہو جائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے)۔ اللہ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے، اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔)

آیت مقدسہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر کسی چیز کی حلت و حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نہیں دیا اور قرآن خاموش ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ چیز جائز اور حلال ہے۔ اب کسی بھی مسلمان کو اس کی حلت و حرمت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں، ورنہ وہ اپنا دائرۂ عمل خود (اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے) اسی طرح تنگ کرتا چلا جائے گا۔ جس طرح بنی اسرائیل کے لوگوں نے

۴۷۔ القرآن ۵: ۱۰۱۔

کثرتِ سوال سے کیا تھا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے پہلے حکم پر ہی کسی بھی عمر یا رنگ کی گائے لے آتے اور سوالات نہ کرتے تو ہر قسم کی گائے کی قربانی ان کے لیے حلال ہو جاتی، مگر وہ سوالات کرتے گئے اور ان سوالات کی وجہ سے جوں جوں حکم ظاہر ہوتا گیا اس سے حلت کا دائرہ تنگ اور باقی اقسام (Options) محدود سے محدود تر ہوتی چلی گئیں حتیٰ کہ بالآخر ایک قسم کی گائے پر جاکر رک گئے کہ بس یہی حلال ہے باقی حرام ہیں۔ اس طرح انھوں نے فضول سوالات کی وجہ سے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر کے اپنا دائرۂ عمل تنگ کر لیا۔

اس آیت مبارکہ پر ائمہ تفسیر کی آرا درج ذیل ہیں:

۱۔ اِمام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: ”امام ابن جریر، ابن منذر اور حاکم نے اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا کہ حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ عزوجل حَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَفَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَتَرَكَ أَشْيَاءَ فِي غَيْرِ نِسْيَانٍ وَلَكِنْ رَحْمَةً مِنْهُ لَكُمْ فَاقْبَلُوْهَا وَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا.[۴۸]

بیشک اللہ تعالیٰ نے چند حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز مت کرو اور کچھ فرائض مقرر کیے ہیں انھیں ضائع مت کرو اور حرمتیں متعین کی ہیں انھیں پامال مت کرو اور بغیر بھولے بعض چیزوں سے خاموشی اختیار کی ہے، یہ اس کی طرف سے تم پر رحم ہے اسے قبول کرو اور اس کے متعلق کرید مت کرو۔

یعنی جن چیزوں اور معاملات کے بارے میں شریعت نے سکوت کیا ہے تم بھی ان کی کرید مت کرو ورنہ خود کو مشقت میں ڈالنے کا باعث بن جاؤ گے۔

۲۔ اِمام ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ (۹۵۱ھ) لکھتے ہیں:

(لَا تَسْـَٔلُواْ عَنْ أَشْيَآءَ) عفا الله عنها ولم يكلفكم إياها فمما لا سبيل إليه أصلا لاقتدائه أن يكون الحج قد فرض أولا في كل عام ثم نسخ بطريق العفو.[۴۹]

۴۸۔ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، الدر المنثور في التفسير بالمأثور (بيروت: دار المعرفة)، ۳: ۲۰۸۔

۴۹۔ محمد بن محمد العمادی ابو السعود، إرشاد العقل السليم إلى مزايا القرآن الكريم (بيروت: دارإحياء التراث العربي)، ۳: ۸۵۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: 'اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو۔' جو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیں ہیں اور تمھیں ان کا مکلف نہیں بنایا، تو یہ ان چیزوں سے ہے جن کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ یہ اقتدا ہوگی اس بات کی کہ حج پہلے ہر سال فرض ہوا اور بعد میں معاف کرتے ہوئے(ہر سال حج ادا کرنا) منسوخ ہوگیا۔

اِمام محمود الوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: (لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ) لم يكلّفكم الله تعالى بها." [٥٠] (تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو۔ 'جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مکلف نہیں بنایا۔)

اَحادیث مبارکہ سے اِباحتِ اصلی کے دلائل

اب احادیث نبویہ اور ائمہ حدیث کے اقوال کی روشنی میں اس موقف کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

بلاوجہ سوال اور اختلاف کرنے کی ممانعت سے اِباحتِ اصلیہ کا ثبوت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیثِ مبارکہ ہے کہ جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دَعُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ بِشَيءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ. [٥١]

مجھے اس وقت تک چھوڑے رہو جب تک میں تمھیں چھوڑے رہوں، کیوں کہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاے کرام سے اختلاف کرنے کے باعث ہی ہلاک ہوئے۔ پس جب میں تمھیں کسی بات سے روکوں تو اس سے اجتناب کرو اور جب میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں تو بساط بھر اس کی تعمیل کرو۔

٥٠- محمود بن عبد اللہ الحسینی الالوسی البغدادی، **روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني**(بيروت: دار إحياء التراث العربي)،٧: ٤٠۔

٥١- ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحيح**، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ (بيروت: دار القلم، ١٩٨١ء)، ٦: ٢٦٥٨، حدیث:٦٨٥٨؛ ابو الحسین حجاج بن مسلم القشیری النیسابوری مسلم، **الصحيح**، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر (بيروت: دار إحياء التراث العربي)،٢: ٩٧٥، حدیث: ١٣٣٧۔

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں ائمۂ حدیث کی آرا کا جائزہ درج ذیل ہے:

۱- امام نووی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (٦٧٦ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: یہ سوال کرنے والے صحابی حضرت اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھے جیسے کہ اس کے علاوہ دیگر روایات میں واضح طور پر موجود ہے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک: "(ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ) دليل على أن الأصل عدم الوجوب وأنه لا حكم قبل ورود الشرع وهذا هو الصحيح عند محققي الأصوليين."[٥٢] (جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑ دیا کرو۔ اس بات کی دلیل ہے کہ اصل عدم وجوب ہے۔ اور یہ کہ شریعت سے پہلے کوئی حکم نہیں۔ محققین اصولیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے۔)

امام نووی سے اس حدیث مبارکہ کی شرح میں بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ شریعت میں اصل عدم وجوب ہے اور یہ کہ شریعت سے پہلے کوئی حکم نہیں۔ ائمہ محققین اصولیوں کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔

۲- امام ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (٨٥٢ھ) اس حدیث کی شرح میں بنی اسرائیل کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "واستدل به على أن لا حكم قبل ورود الشرع وأن الأصل في الأشياء عدم الوجوب." (اور اس سے یہ دلیل پکڑی گئی ہے کہ شرعی حکم آنے سے پہلے کوئی حکم نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ اشیا میں اصل واجب کا نہ ہونا ہے۔ مزید فرماتے ہیں: اس سے تمام اشیا کے جائز ہونے پر دلیل لی گئی ہے، جب تک شارع کی طرف سے منع کرنا ثابت نہ ہو، اور یہ دلیل بھی لی گئی ہے کہ بہت سوال کرنا اور باریکی میں پڑنا بھی منع ہے۔)[٥٣]

٥٢- ابوزکریا یحیی بن شرف النووی، شرح صحیح مسلم (کراچی: قدیمی کتب خانہ، ١٩٥٦ء)، ٩: ١٠٠-١٠١۔

٥٣- العسقلانی، فتح الباري، ١٣: ٢٦١-٢٦٣۔

۳۔ علامہ عبد الرحمٰن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۵۳ھ) نے بھی تحفة الأحوذي میں کم و بیش یہی موقف بیان کیا ہے۔[۵۴]

۴۔ امام ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

قال علي: فجمع هذا الحديث جميع أحكام الدين أولها عن آخرها ففيه أن ما سكت عنه النبي ﷺ فلم يأمر به ولا نهى عنه فهو مباح وليس حراما ولا فرضا وأن ما أمر به فهو فرض وما نهى عنه فهو حرام وأن ما أمرنا به فإنما يلزمنا منه ما نستطيع فقط وأن نفعل مرة واحدة تؤدي ما ألزمنا ولا يلزمنا تكراره .[۵۵]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ حدیث اوّل سے آخر تک تمام احکام کی جامع ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس چیز سے خاموش ہو جائیں، نہ حکم دیں اور نہ اس سے منع فرمائیں تو وہ مباح و جائز ہے فرض اور حرام نہیں۔اور جس کا حکم دیں وہ فرض ہے۔اور جس سے منع فرمائیں حرام ہے۔اور جس بات کا ہم کو حکم دیں جتنا ہمارے بس میں ہے اتنا اس پر عمل کرنا ہم پر لازم ہے اور ایک بار عمل کرنے سے ہم سبکدوش ہو جاتے ہیں، بار بار کرنا ہم پر لازم نہیں۔

ابن حزم ایک اور مقام پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے:

اور وہ صحیح حدیث جسے ہم نے پہلے اس کی سند کے ساتھ ذکر کر دیا--یہ بات نص سے واضح ہو گئی کہ جس خیر کا حضور نبی اکرم ﷺ حکم نہ دیں، وہ واجب نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا، نہ حرام ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔لازمی ہے کہ مباح ہو، سو جو شخص اس کے حرام ہونے کا دعویٰ کرے وہ پابند ہے اس بات کا کہ اس کے منع پر حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ اقدس پیش کرے، اگر وہ لے آئے تو ہم اسے سنیں گے بھی اور مانیں گے بھی، ورنہ اس کی بات باطل ہے۔ جو واجب ہونے کا دعوی کرے وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ اس کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا کوئی حکم لے کر آئے، اگر وہ لے آئے تو ہم اس کی پابندی کریں گے اور اگر نہ لا سکے تو اس کا قول باطل ہے۔ اور اس نص سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جس کے کرنے کا حکم حضور نبی اکرم ﷺ نے دیا تو وہ ہم پر فرض ہے مگر یہ کہ جس کی ہم استطاعت نہ رکھتے ہوں اور ہر وہ چیز جس سے ہمیں حضور نبی اکرم

۵۴۔ محمد عبد الرحمن بن عبد الرحیم ابو علا مبارکپوری، تحفة الأحوذي (بیروت: دار الکتب العلمیة)،۷: ۴۳۵۔

۵۵۔ ابن حزم،المحلی،۱: ۶۴۔

ﷺ نے منع فرمایا دیا وہ حرام ہے مگر وہ چیز جس کو آپ ﷺ نے مکروہ یا مندوب بیان فرمایا ہو۔ پس اب دین میں ایسا کوئی حکم نہیں مگر یہ کہ اس پر نص موجود ہے۔(٥٦)

کثرتِ سوالات سے بار بار منع فرمایا گیا۔ بنی اسرائیل نے کثرتِ سوالات سے ایک مباح کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا۔ وہ کوئی بھی گائے حکم خداوندی پر ذبح کر دیتے تو ان کی طرف سے حکم الٰہی کی تعمیل ہو جاتی، لیکن انھوں نے تنگی کی راہ اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر تنگی فرمائی۔

جب کہ ایسا بھی ہوا کہ کوئی کام پہلے حرام تھا سوال نہ کرنے کی وجہ سے حلال ہو گیا مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رمضان کی رات میں جماع کرنا کہ اس سے پہلے رمضان میں جماع کلیتاً حرام تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے رمضان میں رات کو جماع کی اجازت دے دی۔ اسی لیے کثرت سوالات سے منع کیا گیا۔

نزولِ حکمِ حرمت کا باعث بلا وجہ سوال کرنا اور اِباحت اصلیہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث مبارکہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ.“(٥٧) (مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہیں کی گئی تھی لیکن اس کے سوال کرنے کے باعث حرام کر دی گئی۔)

یہ ارشاد نبوی صراحتاً دلالت کر رہا ہے کہ کسی شے میں حرمت کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے اگر نص نہیں تو اس شے میں اِباحت ہے۔

ا- امام ابن حجر عسقلانی (٨٥٢ھ) اس حدیث مبارکہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے بارے میں سوال جب کسی حلال چیز کے حرام ہونے کا سبب بن جائے تو یہ سب سے بڑا جرم ہے کہ

٥٦- ابن حزم، **الإحكام**، ٨: ٤٩١۔

٥٧- البخاری، **الصحيح**، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال وتكلف ما لا يعنيه، ٦: ٢٦٥٨، حدیث: ٦٨٥٩؛ مسلم، **الصحيح**، كتاب الفضائل، باب توقيره ﷺ وترك إكثار سؤاله عما لا ضرورة إليه، ٤: ١٨٣١، حدیث: ٢٣٥٨۔

وہ تمام عاقل، بالغ مسلمانوں پر تنگی کرنے کا سبب بن گیا، مثلاً قتل ناحق گناہ کبیرہ ہے مگر اس کا نقصان ایک شخص اور اس کے کنبے کی طرف جاتا ہے مگر زیرِ نظر صورت کا نقصان سب کے لیے عام ہے۔

"أن الأصل في الأشياء الإباحة حتى يرد الشرع بخلاف ذلك." [۵۸] (بے شک چیزوں میں اصل اباحت وجواز ہے، یہاں تک کہ اس کے خلاف کوئی شرعی حکم نہ وارد ہو جائے۔)

۲- امام ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

"حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'میری امت ستر یا اس سے بھی کچھ زیادہ فرقوں میں بٹ جائے گی، سب سے بڑا فتنہ میری امت میں وہ لوگ ہوں گے جو اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔ پس وہ (اپنی رائے سے) حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرائیں گے۔" [۵۹] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'تمام شریعت یا تو فرض ہے کہ ترک کرنے والا گناہ گار ہوگا یا حرام ہے کہ اس کا مرتکب نافرمان ہوگا یا مباح کہ کرنے یا نہ کرنے سے کوئی گناہ گار نہ ہو گا۔' اور اس مباح کی تین اقسام ہیں: مندوب کہ جس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر سزا نہیں، یا مکروہ کہ اس کے ترک پر ثواب اور کرنے پر گناہ نہیں، یا مطلق کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے پر ثواب نہیں اور نہ ہی اس کو کرنے اور نہ کرنے والا گناہ گار ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا [۶۰] وقال تعالى: وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ [۶۱] فصح أن كل شيء حلال إلا ما فصل تحريمه في القرآن أو السنة." (وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمھارے لیے پیدا کیا۔' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے تمھارے لیے ان (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کر دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔' سو

۵۸- العسقلانی، فتح الباري، ۱۳: ۲۶۸۔

۵۹- ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم، المستدرك على الصحيحين (بیروت: دار الکتب العلمية، ۱۹۹۰ء)، ۳: ۶۳۱، حدیث: ۶۳۲۵۔

۶۰- القرآن ۲: ۲۹۔

۶۱- القرآن ۶: ۱۱۹۔

صحیح یہ ہے کہ بے شک ہر ایک شے حلال ہے سوائے اس کے کہ اس شے کی حرمت قرآن مجید یا سنت نبوی ﷺ میں بیان کر دی گئی ہو۔)[۶۲]

۳- علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۰ھ) نے اصلِ اشیا میں اِباحت کے عنوان سے باقاعدہ باب قائم کیا ہے: 'باب: تمام چیزوں میں اصل جواز ہے جب تک اس سے منع یا اس کا لزوم ثابت نہ ہو۔' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ أَعْظَمَ المسْلِمِيْنَ فِي المسْلِمِيْنَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيءٍ لَمْ يُحَرَّمْ عَلَى النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ.'' (مسلمانوں میں سب سے زیادہ جرم اس مسلمان کا ہے جس نے اس چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کی وجہ سے (ان پر) حرام کر دی گئی۔)[۶۳]

حِلت و حرمت کے اَحکامات سے ثبوتِ اِباحت

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور نبی اکرم ﷺ سے گھی، پنیر اور دوسری اشیاے خوردنی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَلْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ.'' (وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اپنی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرا دیا ہے رہیں وہ اشیا جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا تو وہ ان میں سے ہیں جو معاف کر دی گئی ہیں۔)[۶۴]

۱- اس حدیث کی شرح میں علامہ عبد الرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۵۳ھ) کی تفصیلی بحث کا خلاصہ یہ ہے:

حرام و حلال کرنا صرف قرآن پر منحصر ہے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم تمام احکام پر مشتمل ہے خواہ عموم کی بنا پر ہو یا اشارتاً یا مراد ہے غالب طور پر، اس حدیث کی وجہ سے کہ 'مجھے قرآن اور اس کے

۶۲- ابن حزم، **المحلی**، ۱- ۲: ۶۲-۶۳۔

۶۳- محمد بن علی بن محمد الشوکانی، **نیل الأوطار شرح منتقى الأخبار** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۲ء)، ۸: ۲۷۲۔

۶۴- الترمذی، **السنن**، کتاب اللباس، باب ما جاء في لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، حدیث: ۱۷۲۶۔

ساتھ اس جیسی چیز (سنت) ملی ہے۔' اور یہ صحیح حدیث ہے۔اور جس بات سے اللہ تعالیٰ کی کتاب خاموش ہو، یا جس چیز کے حلال و حرام ہونے سے اللہ تعالیٰ نے بہ طور رحمت نہ کہ بھول کر اعراض برتا ہو اس پر عمل کرنا جائز اور اس کو کھانا حلال ہے اور اس میں یہ اصول بھی معلوم ہوا کہ چیزوں میں اصل اباحت یعنی جواز ہے۔اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: 'وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمھارے لیے پیدا کیا۔

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ بعض اہل علم نے تمباکو کھانے اور اس کا دھواں پینے پر اس آیت سے استدلال کیا ہے: 'وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمھارے لیے پیدا کیا اور ان اَحادیث مبارکہ سے بھی جو اشیا کی اباحتِ اصلیہ پر دلالت کرتی ہیں۔

قاضی شوکانی اپنی کتاب **إرشاد السائل إلى أدلة المسائل** میں یہ بات ثابت کرنے کے بعد کہ زمین کی ہر چیز حلال ہے ماسوائے ان اشیا کے جن کے حرام ہونے پر دلیل شرعی موجود ہے۔فرماتے ہیں کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو تمھیں معلوم ہو گیا کہ یہ پودا جس کو بعض لوگ تمباکو کہتے ہیں اس کی حرمت کی کوئی دلیل شرعی نہیں نہ یہ نشہ آور چیز ہے نہ زہر ہے اور نہ اس میں فوری یا میعادی نقصان ہے سو جو کوئی اسے حرام کہے اس پر دلیل لانا لازم ہے صرف باتیں بنانے سے اس میں خرابی نہیں آ جاتی۔[٦٥]

٢- ایک اور مقام پر شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک: 'حلال بیّن ہے۔! یعنی واضح ہے اس کا حلال ہونا پوشیدہ نہیں بہ ایں طور کہ اس کے حلال ہونے پر نص موجود ہے یا اس کے لیے قاعدہ شرعیہ ہے جس سے جزوی مسائل معلوم کرنا ممکن ہو جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: (هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا) 'لکمْ' میں 'لام' نفع کے لیے ہے تو معلوم ہو گیا کہ اشیا میں اصل حلال ہونا ہے۔سوائے اس کے کہ کسی چیز میں ضرر ہو 'اور حرام بھی بیّن' یعنی واضح ہے اس کا حرام ہونا مخفی نہیں بایں طور کہ اس کے حرام ہونے پر نص موجود ہے جیسے فحاشی، حرام کام، مردار، خون وغیرہ۔[٦٦]

٣- علامہ عبد الرّؤوف مناوی رحمۃ اللہ علیہ (١٠٠٣ھ) نے اس موقف پر نہایت شرح و بسط سے لکھا جس کا لبِ لباب یہ ہے:

٦٥- مبارکپوری، **تحفة الأحوذي**، ٥: ٣٢٤۔

٦٦- مبارکپوری، نفسِ مرجع، ٤: ٣٣١۔

(الْحَلَالُ) لغتاً اور شرعاً حرام کی ضد ہیں (بَيِّنٌ) ظاہر اور واضح ہے۔یعنی جس کا حلال ہونا مخفی نہ ہو، اور اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے حلال ہونے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نص بیان کی ہو یا جس کے حلال عین یا اس کی جنس کے حلال ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہو اور اسی میں سے وہ بھی ہے جس کے بارے میں ظاہر اقوال میں ممانعت نہ آئی ہو۔(وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ) حرام بھی واضح ہے، یعنی جس کی حرمت مخفی نہ ہو، اور اس سے مراد وہ چیز ہے جس چیز کے عین میں یا اس کی جنس کی حرمت میں اجماع ہو یا اس میں عقوبت یا وعید ہو۔ پھر حرمت یا تو مخفی فساد یا مخفی نقصان کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسے زنا اور مجوس کا مذکی ہونا یا ظاہری فساد یا نقصان کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسے زہر اور شراب، (وَبَيْنَهُمَا) یعنی واضح حلال اور حرام کے درمیان (أُمُوْرٌ) ایسے معاملات اور احوال بھی ہیں (مُشْتَبِهَاتٌ) جو ان کی حلت و حرمت کے واضح نہ ہونے کی وجہ سے دلائل کے تجاذب اور معانی و اسباب کے متنازع ہونے کی وجہ سے دوسری چیزوں کے ساتھ گڈمڈ ہیں، پس بعض کو حرمت کی دلیل تقویت دیتی ہے اور بعض کو حلت کی اور دونوں میں سے کسی ایک کی ترجیح کی صورت نہیں ہے مگر پوشیدگی۔اور مشتبہ کی مثال ایسے شخص کا معاملہ ہے جس کے مال میں حرام کا شائبہ ہو تو ورع اس کو ترک کرنا ہے، اگرچہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہو۔

حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا اور جس شے سے خاموش رہا اور نہ اس کے حلال ہونے کی وضاحت کی اور نہ حرام ہونے کی اور جو نہ واضح ہو نہ پوشیدہ، وہ معاف ہے، اسے کھانا جائز ہے۔حضور نبی اکرم ﷺ نے یہی جواب دیا تھا جب آپ ﷺ سے پنیر، مکھن اور پوستین سے متعلق سوال کیا گیا۔امام حافظ زین عراقی نے فرمایا کہ اس میں دلیل ہے ان لوگوں کے لیے جو کہتے ہیں کہ حکم شرعی آنے سے پہلے چیزیں مباح ہوتی ہیں جب تک کہ ان کا حرام ہونا یا واجب ہونا واضح نہ ہو جائے اور یہ علم اُصول کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے۔[٦٧]

نزولِ اَحکام میں سکوتِ الٰہی سے اِباحتِ اصلیہ کا ثبوت

حضرت ابو ثعلبہ الخُشَنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"إِنَّ اللهَ عزوجل فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا

٦٧- مزید تفصیل کے لیے: عبد الرؤف بن تاج العارفین المناوی، **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**،(مصر: مکتبہ تجاریہ کبری،١٣٥٦ھ)،٣: ٤٢٣-٤٢٥،حدیث:٣٨٥٦-٣٨٥٨۔

وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا." [٦٨] (بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض فرمائیں انھیں ضائع نہ کرو، کچھ حرمتیں قائم فرمائیں، انھیں پامال نہ کرو، کچھ حدیں قائم فرمائیں ہیں، ان سے آگے نہ بڑھو، اور کچھ کے بارے خود سے بغیر بھولے (تمھاری سہولت کے لیے) خاموش رہا ہے ان کی کرید نہ کرو۔)

۱۔ امام ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۵ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:"أما المسكوت عنه فهو ما لم يذكر حكمه بتحليل ولا إيجاب ولا تحريم فيكون معفوا عنه لا حرج على فاعله."(یعنی جس سے خاموشی اختیار کی ہو اور وہ جس شے کے حکم میں حلال، وجوب اور حرام ہونا ذکر نہ فرمایا گیا ہو سو وہ معاف ہے۔اس کے کرنے والے پر کچھ تنگی نہیں۔) [٦٩]

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی لا تبحثوا عنها (باقی چیزوں سے بحث نہ کرو) کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:"دلّ على أن الأصل في الأشياء الإباحة كقوله تعالى: (هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا)" [٧٠] (یہ فرمان نبوی بھی دلالت کرتا ہے کہ اصل اشیا میں اباحت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی: 'وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمھارے لیے پیدا کیا، سے اباحت ثابت ہوتی ہے۔)

حضرت ابو دردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شے کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جس شے کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا وہ حرام ہے۔

٦٨- ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی الدار قطنی،السنن، كتاب الرضاع (بیروت: دار المعرفة،۱۹۶۶ء)،۴: ۱۸۳، حدیث: ۴۲؛ سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، **المعجم الكبير**(الموصل: مكتبة الزهراء، ۱۹۸۳ء)، ۲۲: ۲۲۱، حدیث:۵۸۹۔

٦٩- ابوالفرج عبدالرحمن بن احمد ابن رجب حنبلی، **جامع العلوم والحكم** (بیروت: دار المعرفة،۱۴۰۸ھ)،۱: ۲۸۲۔

٧٠- القرآن ۲: ۲۹؛ نور الدین بن سلطان محمد الہروی الحنفی ملا علی القاری، **مرقاة المفاتيح** (بمبئی: أصح المطابع)،۱: ۲۲۳۔

”وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ فَاقْبَلُوْا مِنَ اللهِ عَافِيَتَهُ فَإِنَّ اللهَ لَمْ يَكُنْ لِيَنْسَى شَيْئًا؟“(جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے اس میں معافی ہے پس اس کی طرف سے اس عافیت کو قبول کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی شے کو بھولنے والا نہیں ہے۔)[(۷۱)]

اِمام اَحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۲۴۱ھ) نے فرمایا کہ بے شک اسلام کے (بنیادی) اُصول تین اَحادیث مبارکہ ہیں:

۱۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

۲۔ جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

۳۔ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ’پس سارے کا سارا دین مامورات (یعنی جن کے کرنے کا حکم دیا گیا) کے بجا لانے اور محظورات (یعنی جن کے کرنے سے روکا گیا) سے اِجتناب کرنے اور شبہات (یعنی جن کا حلال یا حرام ہونا واضح نہ ہو) پر توقف کرنے کی طرف لوٹتا ہے۔‘[(۷۲)]

اُصولِ اِباحت پر ائمۂ فقہا کی آرا

اُصولِ اِباحت کے حوالے سے ائمۂ مذاہبِ فقہ کی آرا درج ذیل ہیں:

اَئمۂ احناف کا نقطۂ نظر

۱۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (۴۹۰ھ) اس قاعدے کے بارے میں فرماتے ہیں:

وقد بينا هذا الفصل إلا أنه ذكره هنا بلفظ يستدل به على أنه كان من مذهبه أن الأصل في الأشياء الإباحة وأن الحرمة بالنهي عنها شرعا.[(۷۳)]

۷۱۔ الدارقطنی، السنن، کتاب الزکاۃ، ۲: ۱۳۷، حدیث: ۱۲؛ الحاکم، المستدرک، ۲: ۴۰۶، حدیث: ۳۴۱۹۔ امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

۷۲۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۱۳۔

۷۳۔ السرخسی، المبسوط، ۲۴: ۷۷۔

ہم نے یہ فصل بیان کر دی ہے مگر یہاں مصنف نے ان الفاظ سے دوبارہ بیان کر دی ہے جس سے یہ دلیل سمجھ میں آتی ہے کہ مصنف کا مذہب اشیا میں اباحت کا ہے۔اور یہ کہ شرعًا حرمت، نہی (یعنی منع کرنے) سے ثابت ہوتی ہے۔

۲۔ امام ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:

تمام چیزوں میں دراصل اجازت ہوتی ہے، جب تک ان کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، یا پھر حرمت ہوتی ہے جب تک جائز ہونے کی دلیل قائم نہ ہو۔شوافع نے اس کی نسبت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے۔**البدیع المختار** میں ہے کہ شریعت سے پہلے افعال کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ہمارے نزدیک گو حکم ازلی ہے، مگر یہاں مراد یہ ہے کہ حکم کا فعل سے تعلق شریعت سے پہلے نہیں ہوتا۔سو نفی تعلق کی ہوئی کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔مصنف کی کتاب **شرح المنار** میں ہے 'اصل میں چیزیں مباح ہوتی ہیں۔' بعض اَحناف کا یہی موقف ہے جن میں سے اِمام کرخی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔[۷۴]

۳۔ امام ابن عابدین الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

اصل قاعدہ یہ ہے کہ اشیا میں اباحت ہے۔ فرض کیجیے اگر بعض اشیا سے کسی کو نقصان ہوتا ہے تو ضروری نہیں کہ ہر ایک کو نقصان ہی ہو، جن لوگوں کی طبیعت صفراوی ہو ان کو شہد نقصان دیتا ہے، حالاں کہ نصِ قطعی سے اس کا شفا ہونا ثابت ہے۔احتیاط یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھیں اور اس میں حرمت و کراہت ثابت کریں۔جن کے لیے دلیل شرعی درکار ہے، بلکہ اصل اباحت ہی مانیں گے۔خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شارع ہونے کے باوجود شراب کی حرمت میں اس وقت تک توقف فرمایا جب تک نص قطعی نازل نہیں ہوئی جب کہ یہ تمام خباثتوں کی جڑ ہے۔[۷۵]

۴۔ ڈاکٹر عبد الکریم زیدان لکھتے ہیں:

چیزوں میں اصل اباحت ہے۔یعنی جن اشیا کے بارے میں کوئی حکم شریعت میں موجود نہیں ہے، اس کو مباح سمجھا جائے گا۔اس کی تفصیل ان شاء اللہ استصحاب کے باب میں آئندہ آئے گی۔سو اسی لیے معاہدے، تصرفات، حیوانات، نباتات اور جمادات وغیرہ کے بارے میں اصل اباحت ہے۔اگر شارع کی طرف سے کوئی حکم موجود ہو تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا، ورنہ ان کو اباحت اصلیہ کے حکم میں سمجھا

۷۴۔ ابن النجیم، **الأشباہ والنظائر**،۱: ۹۷۔

۷۵۔ محمد بن محمد امین ابن عابدین الشامی، **رد المحتار علی الدر المختار** (کوئٹہ: مکتبہ ماجدیہ،۱۳۹۹ھ)،۶: ۴۵۹۔

جائے گا۔ اور مباح کا عام حکم تو یہی ہے کہ اس کے کرنے یا نہ کرنے پر کوئی ثواب یا سزا نہیں دی جاتی تاہم نیت اور ارادے کی بنا پر اس پر ثواب ملتا ہے جیسے کوئی شخص جسمانی قوت حاصل کرنے کے لیے ورزش کرے لیکن اس سے اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے گا اور اسلام کے دشمنوں سے لڑے گا تو یہ ورزش کرنا اس کے لیے باعث ثواب ہے۔"[۷۶]

ائمۂ شوافع کا نقطۂ نظر

اِباحت اصلی کے حوالے سے ائمۂ شوافع کا نقطۂ نظر درج ذیل ہے:

۱۔ امام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ (۶۰۶ھ) 'حکم شرعی سے پہلے اشیا کے حکم کے بارے میں' کے عنوان سے فصل قائم کرکے لکھتے ہیں:

انتفاع المكلّف بما ينتفع به إما أن يكون اضطراريا كالتنفس في الهواء وغيره وذلك لابد من القطع بأنه غير ممنوع عنه إلا إذا جوزنا تكليف ما لا يطاق وإما أن لا يكون اضطراريا كأكل الفواكه وغيرها فعند المعتزلة البصرية وطائفة من فقهاء الشافعية والحنفية أنها على الإباحة.[۷۷]

مفید چیز سے مکلف کا فائدہ اٹھانا، یا تو اضطرارًا (مجبوراً) ہو گا جیسے ہوا میں سانس لینا وغیرہ۔ یہ قطعاً جائز ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم تکلیف مالایطاق کو جائز قرار دیں، یا اضطراری نہ ہو گا جیسے پھل وغیرہ کھانا۔ بصرہ کے معتزلہ اور حنفی شافعی فقہا کی ایک جماعت کے نزدیک یہ اِباحت اصلیہ پر ہے۔

۲۔ امام نووِی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں: "والصحيح عندنا أنه لا حكم قبل ورود الشرع والله سبحانه أعلم."[۷۸] (اور ہمارے ہاں صحیح یہ ہے کہ شرع کے وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم نہیں ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔)

۳۔ اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: "واحتج الجمهور بأحاديث الإباحة التي ذكرها مسلم وغيره وهي صحيحة صريحة وبأحاديث آخر صحيحة جائت بالإباحة."[۷۹]

۷۶۔ زیدان، الوجیز، ۴۷-۴۸۔

۷۷۔ الرازی، المحصول، ۱: ۲۰۹۔

۷۸۔ النووی، المجموع، ۹: ۳۸۰۔

۷۹۔ ابوزکریا یحیی بن شرف النووی، روضة الطالبين وعمدة المفتين، (بیروت: المكتب الإسلامي، ۱۹۹۱ء)، ۵: ۲۹۴۔

(جمہور نے اباحت کی حدیثوں سے جن کو امام مسلم وغیرہ نے ذکر کیا ہے، دلیل پکڑی ہے، جو صریح صحیح ہیں، اور دیگر صحیح احادیث بھی اِباحت اصلیہ کو ثابت کرتی ہیں۔)

۴۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ (۷۹۰ھ) طویل دلائل دینے کے بعد نتیجۃً لکھتے ہیں: "أن أصل الأشياء إما الإباحة وإما العفو وكلاهما يقتضي الرجوع إلى مقتضى الإذن فكان هو الراجح."[۸۰] (بے شک اشیا کی اصل یا تو اباحت ہے یا عفو (درگزر ہے) اور یہ دونوں اذن کے مقتضی کا تقاضا کرتے ہیں پس وہی راجح ہوا۔)

۵- امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۹۱۱ھ) کا کہنا ہے کہ "الأصل في الأشياء الإباحة، حتى يدل الدليل على التحريم.هذا مذهبنا."[۸۱] (اشیا میں اصل اباحت ہے، جب تک کہ اس کی حرمت پر دلیل نہ ہو، یہی ہمارا مذہب ہے۔)

ائمۂ مالکیہ کا نقطۂ نظر

اِباحت اصلی کے حوالے سے ائمۂ مالکیہ کی آرا درج ذیل ہیں:

۱- امام ابن عبد البر المالکی رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں: "والأصل الإباحة حتى يصح المنع من وجه لا معارض له." اصل اِباحت ہے جب تک ممانعت اس طرح صحیح ہو کہ اس کا مقابل کوئی نہ ہو۔)[۸۲]

۲- اِمام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: "وفي هذا الحديث (دليل) أن الخمر لم تكن حراما حتى نزل تحريمها وفي سياقه الحديث ما يدل على أن ما سكت الله عن

۸۰- الشاطبی،الموافقات،۱: ۱۸۵-۱۸۶۔

۸۱- السیوطی،الأشباه و النظائر،۱: ۱۳۱۔

۸۲- ابن عبدالبر، التمهيد،۴: ۶۷۔

تحریمه فحلال وأن أصل الأشياء على الإباحة حتى يرد المنع."[۸۳] (اس حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ شراب حرام نہیں تھی یہاں تک کہ اس کی حرمت نازل ہوئی، اور حدیث کے سیاق میں یہ بات ہے کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار فرمائی وہ حلال ہے اوراصل اشیاء میں اِباحت ہے۔جب تک ان کے بارے میں ممانعت وارد نہ ہو۔)

۳۔ امام عبد الباقی الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۲۲ھ) اپنے موقف کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:"الأصل في الأشياء الإباحة ولم يمنع الله ولا رسوله ﷺ من ذلك ولا اتفق على المنع منه يعني فالأرجح جوازه."[۸۴] (اشیا میں اصل اباحت ہے اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا نہ اس کی ممانعت پر اجماع ہوا تو راجح تر اباحت و جواز کا قول ہے۔)

۴۔ امام احمد بن اِدریس القرافی رحمۃ اللہ علیہ (۶۸۴ھ) لکھتے ہیں: "شرعی قاعدہ ہے کہ سببِ اِباحت کا نہ ہونا، سببِ حرمت ہے اور سببِ حرمت کا نہ ہونا سببِ اِباحت ہے۔جیسے کہ کسی شے میں نشہ آور چیز کا نہ ہونا جو اس کا سبب حرمت ہے۔سبب اباحت ہے اور عورتوں میں اس عقد کا نہ ہونا جو سببِ اِباحت ہے۔سبب حرمت ہے۔"[۸۵]

ائمۂ حنابلہ کا نقطۂ نظر

اِباحت اصلی کے حوالے سے ائمۂ حنابلہ کی آرا درج ذیل ہیں:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:"حديث عثمان رضي الله تعالى عنه هو الذي يجب أن يعمل به لأوجه، أحدها أن حديث عثمان رضي الله تعالى عنه ناقل عن الأصل

۸۳۔ ابن عبد البر،التمهيد،۴: ۱۴۲۔

۸۴۔ ابوعبداللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی، شرح الموطأ (بیروت: دار الكتب العلمية،۱۴۱۱ھ)،۲: ۲۷۹۔

۸۵۔ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس القرافی، الأمنية في إدراك النية (بیروت: دار الكتب العلمية)،۱: ۳۱۔

الذي هو الإباحة." (۸۶) (حدیث عثمان رضی اللہ عنہ جس پر عمل مختلف وجوہات کی بنا پر ہم پر واجب ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حدیث عثمان رضی اللہ عنہ اصل قاعدہ بتا رہی ہے جو کہ اباحت و اجازت ہے۔)

علامہ ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں:

جس شے کو اللہ تعالیٰ نے مخصوص حال میں جائز فرمایا اور مطلقاً جائز نہیں فرمایا، شرط جب اس چیز کو اس حال سے بدل دے گی جس میں شرط نہ تھی تو اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز حرام ہوجائے گی۔یونہی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے خاص حال میں حرام کیا اور مطلقاً حرام نہیں کیا۔وہ شرط ختم ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی حرام کی گئی شے مباح ہوجائے گی اور اگر کوئی چیز غیر مشروط ہے تو اباحت اصلیہ کا حکم لے لے گی۔ (۸۷)

علامہ ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں: 'اباحت اللہ تعالیٰ کی نعمت ورحمت ہے۔' (۸۸)

"فكل ما ثبت إباحته بنص أو إجماع وجب إباحة لوازمه، إذا لم يكن في تحريمها نص ولا إجماع." (۸۹) (سو ہر وہ چیز جس کی اباحت نص یا اجماع سے ثابت ہو اس کے لوازمات کی اباحت بھی لازماً ثابت ہوگی جب اس کے حرام ہونے کی نص یا اجماع نہ ہو۔)

امام ابو اِسحاق حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (۸۸۴ھ) نے بھی اسی موقف کی تائید کی ہے۔ (۹۰)

ائمۂ جعفریہ کا نقطۂ نظر

اِباحت اصلی کے حوالے سے ائمۂ جعفریہ کا نقطۂ نظر درج ذیل ہے:

۱۔ امام ابو علی فضل بن حسن الطوسی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۸ھ) کے موقف کا خلاصہ یہ ہے:

۸۶۔ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، **شرح العمدة** (ریاض: دار العاصمة،۱۹۹۷ء)،۳: ۲۰۵۔

۸۷۔ ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی** (قاہرہ: مكتبة ابن تيمية)،۲۹: ۱۴۹۔

۸۸۔ ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**،۲۹: ۱۶۲۔

۸۹۔ ابن تیمیہ،**القواعد النورانية الفقهية** (سعودی عرب: دار ابن الجوزي،۱۴۲۲ھ):۱۶۹۔

۹۰۔ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد ابن مفلح، **المبدع شرح المقنع** (الریاض: دار عالم الکتب،۲۰۰۳ء)،۳: ۱۷۰۔

(هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ) أي لأجلكم (مَا فِيْ الْأَرْضِ جَمِيْعًا) ما في موضع نصب بأنه مفعول بها ومعناه أن الأرض وجميع ما فيها نعم من الله تعالى مخلوقة لكم أما دينية فتستدلون بها على معرفته وأما دنياوية فتنتفعون بها بضروب النفع عاجلا.

خدا وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمھارے لیے پیدا فرمایا۔' لفظ 'ما' مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ مطلب یہ کہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جو تمھارے لیے پیدا ہوئیں۔ یا دینی کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت پر استدلال کرو۔ یا دنیاوی جن سے دنیا میں طرح طرح کے فائدے حاصل کرتے ہو۔[۹۱]

۲- ملا فتح اللہ کاشانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۷ھ) نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں اباحت کے جواز پر طویل دلائل دیے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

خدا وہی ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ اور قوت بالغہ سے اپنے فائدے کے لیے نہیں بلکہ تمھارے فائدے کے لیے، وہ سب کچھ جو زمین میں ہے پیدا کیا، کیوں کہ وہ غنی ہے۔ پہاڑ، معدنیات، نباتات، حیوانات اور دیگر جمادات۔ یہ دوسری نعمت کا بیان ہے جو پہلی پر مرتب ہے۔ کہ پہلی نعمت انسان کو دوبارہ پیدا کرنا ہے۔ اور یہ نعمتِ تخلیق وہ چیز ہے جس پر بقائے انسانی موقف ہے اور تمام ذریعہ معاش اس سے متعلق ہے اور 'لکم' میں 'لام' علت کا ہے یعنی تمھاری خاطر اور تمھارے فائدے کے لیے یعنی اس نے زمین کی ہر چیز اس لیے پیدا فرمائی کہ دنیا میں اس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فائدہ اٹھائیں اپنے جسم کی صحت و مصلحت کے لیے اسے صرف کریں۔ پہلے کی مثال مفرد دوائیں کہ دوسری سے مرکب کر کے بنائیں اور دوسرے کی مثال پانی وغیرہ اور ان سے دین کا فائدہ بھی حاصل کرو۔ استدلال و اعتبار کر کے دنیا کی نعمت پر آخرت کی نعمتوں کا اور یہاں کے رنج و الم پر گو آخرت کے رنج و الم کو قیاس کر کے۔

و اینکہ اشاعرہ گویند کہ (لام) لکم از برای عاقبت است نہ از برای غرض و علت، زیرا کہ فاعل فعل از برای غرض مستکمل است بآن، وحق تعالی غیر مستکمل بغیر، قولیست ضعیف و سخنی است سخیف، زیرا کہ غرض اگر راجع بذات فاعل است مستکمل او باشد نہ اینکہ راجع بغیر باشد، وغرض حق تعالی از ایجاد عالم ایصال نفع است بغیر پس منافی کمال ذاتی او نباشد ولکم مقتضی اباحۃ ہمہ أشیاء نافعہ است.

اور یہ جو اشاعرہ کہتے ہیں کہ حکم میں 'لام' عاقبت و انجام کے لیے ہے غرض و علت کے لیے نہیں کہ فاعل کا فعل غرض سے مکمل ہوتا ہے جب کہ حق تعالیٰ کسی غیر سے تکمیل نہیں پاتا، یہ قول ضعیف اور غلط بات

۹۱- ابو علی فضل بن حسن الطوسی، مجمع البیان في تفسير القرآن (قم: مطبعة العرفان، ۱۴۰۳ھ)، ۱: ۷۱۔

ہے۔اس لیے غرض اگر ذات فاعل سے متعلق ہے تو اس کی تکمیل فاعل سے ہوگی نہ کہ غیر سے اور تخلیق کائنات سے حق تعالیٰ کی غرض دوسروں کو فائدہ پہنچانا ہے، پس اس کے ذاتی کمال کے خلاف نہیں۔اور لفظ 'لکم' کا تقاضا ہے کہ ہر مفید چیز مباح ہو۔[۹۲]

ائمۂ ظاہریہ کا نقطۂ نظر

اِباحت اصلی کے حوالے سے ائمۂ ظاہریہ کی آرا درج ذیل ہیں:

۱۔ امام ابن حزم الظاہری رحمۃ اللہ علیہ (۴۵٦ھ) لکھتے ہیں: "فقد أخرج ﷺ ما لم ينص فيه بأمر أو بنهي عن الفرض والندب والتحريم والكراهة وبأمره بترك ما لم يأمرنا أو ينهانا وأبقاه في جملة المباح المطلق فصار من المحال الممتنع وجود نازلة لا حكم لها في النصوص." [۹۳] (حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر وہ بات جس میں امر و نہی نہ ہو، اسے فرض، مستحب، حرام اور کراہت سے نکال دیا اور ہمیں حکم فرمایا ہے کہ جس چیز کا نہ حکم ہو نہ ہی ممانعت تو اس سے بحث نہ کریں آپ ﷺ نے اسے مطلقاً مباح رکھا۔سو یہ محال و ناممکن ہے کہ کوئی مسئلہ پیدا ہو اور نصوص میں اس کا حکم نہ ہو۔)

۲۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:"اجتهاد الرأي كما يكون باستخراج الدليل من الكتاب والسنة يكون بالتمسك بالبراء ة الأصلية." [۹۴] (اجتہاد رائے جیسے قرآن و سنت سے دلیل پکڑنے میں ہوتا ہے اسی طرح اِباحت اصلیہ سے بھی ہوتا ہے۔)

ائمۂ معتزلہ کا نظریہ

اِباحت اصلی کے حوالے سے ائمۂ معتزلہ کی آرا درج ذیل ہیں:

۹۲۔ ملا فتح اللہ الکاشانی، **منهج الصاد قين في إلزام المخالفين**، (تہران: خیابان بوزر جمہری، کتاب فُروشی اسلامیہ)، ۱: ۱۵۰-۱۵۱۔

۹۳۔ ابن حزم، **الإحكام**، ٦: ۲۰٦۔

۹۴۔ الشوکانی، **إرشاد الفحول**، ۱: ۳۴۴۔

۱۔ علامہ ابو الحسین بن طیب المعتزلی رحمۃ اللہ علیہ (۴۳۶ھ) لکھتے ہیں:

اعلم أنها إذا وردت بعد حظر عقلي أو شرعي أفادت ما تفيده لو لم يتقدمها حظر من وجوب أو ندب وقال جل الفقهاء: إنها تفيد بعد الحظر الشرعي الإباحة والإطلاق ...والإباحة هي تخيير بين الفعل وتركه .. وقوله سبحانه: (فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ)[95] على الإباحة لأنها علمت من قصد النبي ﷺ ضرورة أن هذه الأشياء مباحة لولا ما عرض فيها من إحرام أو تشاغل بالصلاة.[96]

یہ جان لیں کہ جب یہ دلائل عقلی یا شرعی ممانعت کے بعد وارد ہوں تو وہ فائدہ دیں گی جو وہ وجوباً یا ندبًا ممانعت کے وارد ہونے سے پہلے دیتے تھے اور اکثر فقہا نے یہ کہا کہ وہ ممانعت شرعی کے بعد اباحت اور اطلاق کا فائدہ دیتی ہیں۔۔۔اور اباحت کسی فعل کے کرنے اور نہ کرنے کے درمیان اختیار ہے۔۔۔اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: 'پھر جب نماز ادا ہوچکے تو زمین میں منتشر ہوجاؤ' اباحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ تو نے ضرورتاً حضور نبی اکرم ﷺ کا قصد جانا کہ یہ چیزیں مباح ہیں۔جب تک ان میں کوئی حرام کرنے والا سبب نہ آجائے یا نماز وغیرہ میں مصروف نہ ہو۔

۲۔ امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ (۵۳۸ھ) لکھتے ہیں:

(تمھارے لیے) یعنی تمہاری خاطر اور تمھارے فائدے کے لیے، تمھاری دنیا اور دین میں (تمھارے لیے پیدا کیا) پس رہا دنیوی فائدہ تو یہ ظاہر ہے اور رہا دینی فائدہ تو اس میں قدرت کے عجائبات ہیں جو ان کے بنانے والے اور ان پر قدرت رکھنے والے اور حکمت والے رب کے بارے میں بتلاتے ہیں اور جو ان میں تذکیر بالآخرت اور اس کا ثواب و عقاب کے بارے میں غور و فکر ہے، کیوں کہ یہ محبت و لذت کے اسباب مثلاً مطاعم و مشارب کی انواع و اقسام، پھل، شادیاں، سواریاں، خوبصورت مناظر اور وحشت و مشقت کے اسباب مثلاً ناپسندیدہ امور کی انواع جیسے آگ، کڑک، درندے، سانپ، زہر، غم و اندوہ، خوفناک اشیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: (خَلَقَ لَکُمْ) سے اس چیز پر استدلال کیا جاتا ہے کہ وہ اشیا جن سے نفع حاصل کرنا صحیح نہیں اور جو عقل میں ممنوعات کے قائم مقام ہیں وہ اصلاً مباح پیدا کی گئی ہیں، ہر کوئی انھیں لے سکتا ہے اور ان سے نفع حاصل کر سکتا ہے اور اگر آپ کہیں کہ کیا اس شخص کا قول جو یہ گمان کرتا ہے (خَلَقَ

۹۵۔ القرآن ۶۲: ۱۰۔

۹۶۔ ابو الحسین محمد بن الطیب المعتزلی ابن الطیب البصری، **المعتمد في أصول الفقه** (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۹۸۳ء)،۱: ۷۵-۷۷۔

لَكُمُ الأَرْضَ وَمَا فِيْهَا) میں وجہ صحت ہے؟ تو میں کہوں گا کہ اگر اس کی زمین سے مراد اس کی نچلی تہیں ہیں نہ کہ خود زمین جیسے کہ لفظ آسمان ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد بلند جہات لی جاتی ہیں تو یہ جائز ہے، کیوں کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے اور اس کی نچلی جہات (سمتوں) میں واقع ہے۔[۹۷]

خلاصۂ بحث

قرآن و سنت کی واضح نصوص اور جمہور علماے اِسلام متقدمین و متاخرین کے موقف سے واضح ہوتا ہے کہ جن اشیا کا باب حرمت میں ذکر نہیں یعنی شارع نے نام لے کر حرام قرار نہیں دیا وہ سب اشیا حلال اور مباح ہیں، کیوں کہ فہرست حرمت میں عدم ذکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔پس عدم ذکر مباح الاصل ہونے کی دلیل ہوگی نہ کہ حرام ہونے کی۔اور پہلا موقف (الأصل في الأشياء الإباحة) اصلِ اشیا میں اِباحت ہے۔یہی صحیح، مختار اور جمہور علماءِ اُمت کا موقف ہے۔

اسلامی قانون میں اباحت اصلی کا یہ ضابطہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔اس میں ہر وہ شے جس پر نہی اور منع وارد نہ ہو مباح اور جائز تصور کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو ان کی طاقت سے بڑھ کر غیر ضروری تکلیف میں مبتلا نہ کیا جائے۔اس طرح اسلامی قانون کا دائرہ اپنی عملیت افادیت اور فعالیت کے لحاظ سے اتنا وسیع ہوجاتا ہے کہ ہر وہ کام جس کو قرآن و سنت نے ناجائز نہ ٹھہرایا ہو شرعی اور اسلامی قرار پا جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁

۹۷۔ الزمخشری، الکشاف، ۱: ۱۵۲۔